پروفیسر عابد علی عابد
ترجمہ: سید سجاد رضوی

عہدِ خلفائے راشدین کے معاشرتی حالات

(۲)

نئے معاشرہ کے عناصر ترکیبی

اسلامی انقلاب کے بعد جو نیا معاشرہ وجود میں آیا۔ اس میں دو بڑی بڑی جماعتیں تھیں ایک جماعت حاکموں کی تھی جو عربوں پر مشتمل تھی۔ دوسری جماعت محکوموں کی تھی جس میں موالی، غلام، کنیزیں، یہودی اور عیسائی شامل تھے۔ عربوں کو اس انقلاب کے داعیوں کی حیثیت سے بڑا غلبہ حاصل تھا۔ ریاست ان کی تھی۔ خلافت کی اقتصادی زندگی ان کے ہاتھوں میں تھی۔ فوجی کارروائی جو زمانۂ خلافت کی اہم سرگرمی تھی سرتاپا انہیں پر منحصر تھا۔ اسلام نے عمرانی اور مدنی قوانین کا بڑا وسیع نظام پیش کیا تھا مگر ان کی توضیح و تشریح، اور ان کو عملی رنگ دینا عربوں ہی کے رحم و کرم پر تھا۔ پرانی روایات زندگی جن میں سے بعض اسلام میں قبول کرلی گئی تھیں اور بعض کو اسلام نے ترک کر دیا تھا، اس نئے عمرانی نظام کا تار و پود قرار پائیں۔ لہٰذا اس جہت سے بھی عربوں کی برتری مسلّم تھی۔

دوسرا طبقہ موالی کہلاتا تھا کہ اہمیت کے اعتبار سے دوسرے درجہ پر تھا صفحاتِ آیندہ میں ان کا تفصیلی ذکر ہوگا فی الحال ہم یہی بتانا چاہتے ہیں کہ اس دَور کے خاتمہ کے قریب، دور دراز کے علاقوں ہی میں نہیں بلکہ خاص عرب میں مسلمان آبادی کی اکثریت انہی پر مشتمل تھی۔ موالی وہ غیر عرب تھے جنہوں نے غیر عرب ممالک میں اسلام قبول کرلیا تھا اور یا تو دارالخلافہ میں آباد ہو گئے تھے یا جزیرہ نمائے عرب کے مشہور شہروں مثلاً مکہ، طائف، کوفہ اور بصرہ میں مقیم ہو گئے تھے۔ آزاد کردہ غلام بھی موالی کہلاتے تھے اور ان کی تعداد بھی اچھی خاصی تھی۔ یہ موالی، سلطنت اسلامی کے آزاد شہری تھے۔ لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ انہیں عربوں جیسی قدر و منزلت حاصل نہ تھی اور خلافتِ راشدہ کے زمانے میں انہیں اعلیٰ سیاسی عہدے نہ دیئے جاتے۔ ان کی حیثیت دراصل ان غیر ملکیوں ایسی تھی جو یک لخت عرب معاشرے میں داخل ہو گئے

ہوں ۔ اور اس لحاظ سے انہوں نے عرب معاشرے پر گہرا اثر ڈالا ۔

اس نئے معاشرے میں تیسرا طبقہ غلاموں اور کنیزوں پر مشتمل تھا ۔ اس زمانے میں فتوحات کی وسعت اور فراوانی کی بنا پر جہاں ملک عرب میں بے پناہ دولت آئی وہاں غلاموں اور کنیزوں کی اتنی بڑی تعداد بھی آگئی جو اس سے قبل کبھی نہ آئی تھی ۔ غلاموں کی تعداد اتنی تیزی سے بڑھتی گئی کہ حضرت عمرؓ کی شہادت کے وقت صرف مدینہ میں ان کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ تھی ۔ حضرت عمرؓ نے ان کی موجودگی سے پیدا ہونے والے خطرے کو بخوبی بھانپ لیا تھا اور وہ چاہتے تھے کہ فاضل آبادی کو دارالخلافہ سے کسی دوسری جگہ منتقل کر دیں مگر صحابہؓ نے ان سے اختلاف کیا اور وہ بالآخر انہیں غلاموں میں سے ایک کے ہاتھوں راہیٔ ملک بقا ہوئے ۔ عام عرب گھرانے میں ان غلاموں کی تعداد دس بارہ کے قریب ہوتی اور امیر گھرانوں میں تو ان کی تعداد ہزاروں تک پہنچ جاتی ۔ مسعودی کا بیان ہے کہ جب زبیرؓ ابن العوام کا انتقال ہوا تو ان کے پاس ایک ہزار کے قریب کنیزیں تھیں[1] ۔ اس نے دوسرے اکابر صحابہ کی کنیزوں کی تعداد اتنی ہی بیان کی ہے ۔ یہ غلام اور کنیزیں اپنے مالکوں کے رحم وکرم پر ہوتیں ۔ مگر انہیں جلد ہی رہائی مل جاتی ۔ لیکن اس کے باوصف ان کا اپنے مالکوں سے تعلق قائم رہتا ۔ اور ان کی غیر ملکی تہذیب وثقافت جدید نظام میں بہت بڑی قوت کی حیثیت اختیار کر گئی ۔ کنیزیں جن کی بنا پر خاندان کے افراد میں بے پناہ اضافہ ہونے لگا ، اس نئے عمرانی نظام میں ایک اور اثر کا باعث ہوئیں ۔ اس عظیم انقلاب اور نئے عمرانی قوانین کے باوجود یہ قوتیں اپنی ارتقا کا قدرتی راستہ اختیار کر کے رہیں ۔ اور ان کی بنا پر بہت سی ایسی روایات اور ادارے وجود میں آگئے جو نہ تو پسندِ خاطر تھے اور نہ ان کے پیدا ہونے کی کسی کو توقع تھی ۔ عربوں کی ابتدائی تاریخ کا ایک نہایت اہم سوال یہ ہے کہ آیا غلاموں اور کنیزوں کی یہ کثیر آبادی اچھے اثرات کا موجب ہوئی یا بُرے اثرات کا ۔ یہاں اس سوال سے بحث کرنے کا موقعہ نہیں صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ یہ کنیزیں اور غلام اسلام کے نئے عمرانی نظام میں تازہ وارد تھے ۔ اور چونکہ وہ بتمام وکمال اپنے مالکوں کے رحم وکرم پر تھے اس وجہ سے انہوں نے ایک ایسے مسئلہ کو ہوا دی جسے اسلامی معاشرہ کبھی حل نہ کر پایا ۔

چوتھا طبقہ مفتوحہ علاقوں کے یہودیوں ، عیسائیوں اور زرتشتیوں پر مشتمل تھا ۔ یہ لوگ بھی فاتحین کے قریب آئے اور انہوں نے ان پر گہرا اثر ڈالا ۔ یہ اثر بعض اوقات بالواسطہ ہوتا اور بعض دفعہ تبدیلیٔ مذہب

---

[1] المسعودی جلد اول صفحہ ۴۳۴ ، جرجی زیدان جلد اول صفحہ ۶۹

کی بنا پر نئے انتظامی طریقے کو چلانے، مسلمانوں کو ثقافت کے مبادیات سے آشنا کرانے، ان کو فلسفۂ مابعد الطبیعات سے شغف دلانے اور ایک دلچسپ ضمنیات سے روشناس کرانے ہیں ان لوگوں نے بڑا اہم کام کیا۔ انہوں نے اسلام کے بعض بنیادی تصورات میں بھی تبدیلیاں کیں۔ اور بعض ایسے نئے تصور ان میں داخل کیے جو ہمارے زمانے تک بھی اسلامی تصورات سے پوری طرح مل نہ سکے۔

یہ تھے اس نئے عمرانی نظام کے اہم عناصر جس کو مسلمانوں نے وجود دیا اور جو خلافتِ راشدہ کے زمانے میں پھلنے پھولنے لگا تھا۔

نئے تصوّرات

اسلام کا ظہور مروّجہ نظام کے لیے ایک چیلنج تھا اس نے نہ صرف قدیم مذہبی نظام ہی کو للکارا تھا بلکہ قدیم عمرانی روایات اور انسانیت دوستی اور سیاست کے قدیم تصوّرات کو بھی چیلنج کیا تھا۔ اسلام ان قدیم تصورات سے متصادم ہوا اور ایک طویل اور شدید کش مکش شروع ہوگئی۔ جس میں اگرچہ اسلام کو فتح نصیب ہوئی لیکن اس کے باوصف اسے بہت سی باتیں ماننا پڑیں جدید عمرانی تصورات زیادہ تر نئے مذہب میں سے ماخوذ تھے۔ ایک اور فعال عالمگیر خدا کے تصور نے قبائلی دیوتاؤں کو تختِ الوہیت سے الگ کیا۔ اور اس کے بعد ہر قسم کی مادیت اور طبقاتیت کی تنگ نظریوں سے ماوراء ہوگیا۔ اسلام کا خدا ساری انسانیت کا خدا تھا۔ پیغمبر اسلام ساری نوعِ انسان کے لیے تشریف لائے تھے اور نئے مذہب کا پیغام ساری نسلِ انسانی کے لیے تھا۔ ان تصوّرات نے سب سے پہلے تو ایک عالمگیر برادری پیدا کی اور اس کے بعد انسانی مساوات کا اعلان کیا۔ یہ دونوں تصوّرات قدیم زمانے اور تہذیبوں کے لیے غیر اور نا قابلِ قبول تھے۔ یونانیوں کا خیال تھا کہ تمام غیر یونانی وحشی ہیں اور اسی قابل ہیں کہ انہیں غلام بنایا جائے۔ رومن کسی ایسے شخص کو شہری حقوق نہ دیتے جو ان کی شاہی نسل سے تعلق نہ رکھتا۔ ایرانیوں کا ایمان تھا کہ ان کے بادشاہ دیوتاؤں کی نسل میں سے ہیں اور اس لحاظ سے وہ اشرافیہ کے ہاتھوں میں بالکل غلاموں کی سی حیثیت رکھتے تھے۔ ہندوستان کے آریا تمدّن نے لوگوں کو سینکڑوں طبقات میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ان طبقات میں سے اعلیٰ ترین طبقہ دیوتاؤں سے مل گیا تھا۔ اور ادنیٰ ترین طبقہ کی حیثیت جانوروں سے بد تر تھی۔ ان دریں حالات اسلام کے ان جدید تصوّرات نے فکرِ انسانی کو ایک عظیم انقلاب سے دوچار کیا۔ اسلام پہلا مذہب ہے جس نے نوعِ انسان کو ایک بین الاقوامی معاشرے کی صورت دی۔ اس معاشرہ کے عالمِ وجود میں آنے کے لیے بے شمار تکلیف دہ تجربات اور امتحانات کا سامنا کرنا پڑا لیکن اس امر واقعہ سے انکار نہیں ہو سکتا کہ یہ نئی عالمگیر ملت

معرضِ وجود میں آسکے رہی اور صدیوں تک اس نے اپنی حیثیت کو برقرار رکھا۔

یہ جدید معاشرہ اپنی تنظیم کے لیے کچھ تو اپنی قوتِ پنہاں کا مرہونِ منت ہے اور کچھ اس بات کا کہ اس نے اپنے آپ کو ایک عالمگیر مشن کے لیے وقف کر دیا تھا۔ اس مشن کا مقصد تمام دنیا میں اسلام کو پھیلانا اور نسلِ انسانی کو ملتِ اسلامیہ میں تبدیل کرنا تھا۔ جب تک مسلمانوں کے دل و دماغ میں یہ بات موجود رہی وہ ملک پہ ملک فتح کرتے چلے گئے۔ اور تمام دنیا میں یوں پھر گئے گویا ان کی آمد نوشتہ تقدیر تھی۔

ان تمام باتوں کے ہوتے ہوئے کرۂ ارض پر کچھ ایسی مخالف قوتیں بھی تھیں جو اس عظیم الشان تہذیب سے متصادم ہوئیں۔ ان میں سے ایک قوت قبائلی حسد اور عناد کا از سرِ نو فروغ پانا تھا۔ اسلام نے اسے کم کر دیا تھا لیکن مکمل طور پر ختم نہیں کیا تھا کچھ دیر کے بعد یہ عناد پھر ابھرا۔ اور حضرت عثمانؓ کی خلافت کے آخری ایام میں اس نے بڑی نازک شکل اختیار کر لی اور آخر کار ان کی شہادت کا موجب ہوا وقتی طور پر اس نے اسلام کی فتوحات کا سلسلہ روک دیا اور خلافت راشدہ کے خاتمے کا باعث ہوا۔ اسلام کی مخفی قوت نے اس تحریک کو ایک صدی تک اور برقرار رکھا مگر یہ خرابی جو اسلامی سیاست میں داخل ہو چکی تھی بہت جلدی ہی اس تحریک کی تباہی کا موجب ثابت ہوئی اور اس کی نشو و نما اور ترقی کو ہمیشہ کے لیے روک دیا۔

ان مخالف قوتوں میں، ان غیر عرب اقوام کا جذبۂ نفرت بھی شامل تھا جو حلقہ بگوشِ اسلام ہو چکی تھیں۔ خلافتِ راشدہ عملاً عرب مملکت تھی۔ اس کے انتظام و انصرام میں غیر عربوں کو بہت کم حصہ ملتا تھا۔ اس پر طرّہ یہ کہ عربوں میں ایک احساسِ برتری بھی کارفرما تھا۔ ان دونوں باتوں نے مل کر مفتوح اقوام میں شدید ردِ عمل کو فروغ دیا۔ اس ردِ عمل نے جلد ہی مختلف علاقوں میں وطنیت کی تحریکوں کو جنم دیا۔ اور ان تحریکوں نے اسلام کے جدید عالمی نظام کے لیے ایک بہت بڑا خطرہ پیدا کر دیا۔ یہ درست ہے کہ یہ تحریکیں اس نظام کو برباد نہ کر سکیں لیکن بڑی حد تک اس کی کمزوری کا باعث ضرور بنیں۔

ان مخالف قوتوں میں قدیم مذاہب کی دشمنی بھی شامل تھی۔ ان مذاہب کے ماننے والوں نے یا تو اس غرض سے اسلام کا لبادہ اوڑھ لیا تھا کہ اسلامی دنیا میں شامل ہو کر اس کی صفوں میں انتشار پیدا کریں اور یا اپنے ہی عقیدہ کو سینے سے لگائے رہے اور بیرونی قوتوں سے سازش کر کے یہ کوشش کی کہ باہر سے حملہ کر کے اسے برباد کر دیا جائے۔ یہ اثرات ابھی کارفرما ہی تھے کہ خلافت راشدہ کا شیرازہ یک لخت بکھر گیا

اب صورتِ احوال یوں ظاہر ہوتی ہے کہ خلافتِ راشدہ کا زمانہ بڑی عمرانی کشمکش کا دور تھا۔ نئے طاقتور اور جاندار افکار انسانی عقائد اور تنظیم کے فرسودہ، پیش پا افتادہ، کمزور اور بے جان خیالات کو

للکار رہے تھے۔ یہ دور عجب حیرت و طلسمات کا دور تھا۔ یہ زمانہ، انسانی افکار اور عمرانی تعامل کی دنیا میں، خلافِ توقع اور بڑی حسین اختراعات کا دور تھا۔ اختلافات اور مسائل تو موجود تھے لیکن ان سے مایوسی انحطاط اور ناکامی کا سراغ نہیں ملتا تھا بلکہ اس کے برعکس یہ امیدوں، تمناؤں اور سامنے نظر آنیوالی منزلوں کا عجیب مرقع پیش کرتے تھے۔

اس زمانے کے عمرانی ادارے

خاندان:۔ عمرانی تنظیم کی اکائی کی حیثیت سے خاندان کا وجود زمانۂ جاہلیت ہی میں ملتا تھا لیکن اس کے حدود، اس کے وظائف اور اس کی حیثیت صحیح طور پر معین نہ تھی۔ تعدد ازدواج بھی موجود تھا۔ اور طلاق کا رواج بھی عام تھا۔ شادی محض روایت کی صورت اختیار کر چکی تھی۔ نہ اس کا کوئی وقار تھا اور نہ احترام۔ عرب سرداروں کے حرم میں کنیزیں بھی ہوتی تھیں۔ لیکن ان کی تعداد نسبتاً کم تھی۔

جب اسلام کا آغاز ہوا تو عمرانی زندگی کے ان تمام مسائل کے باقاعدہ ضوابط مرتب ہوئے۔ اور خاندان کو معاشرہ کی بے حد قابل احترام اکائی کی حیثیت دے دی گئی۔ تمام عمرانی ترقیاں اس کی مرہون ہو گئیں۔ عورتوں اور مردوں کے فرائض کی تعیین کی گئی۔ شادی ایک مقدس فریضہ گردانی گئی۔ طلاق مکروہ قرار پائی۔ تعدد ازدواج پر پابندیاں لگیں۔ مردوں اور عورتوں کے حقوق و فرائض کو واضح طور پر معین کیا گیا۔ اور یوں ایک نیا عمرانی نظام معرض وجود میں آیا۔ پیغمبر اسلامؐ کی زندگی میں یہ نظام اعتدال، انسانیت، عمرانی عدل اور خیر کا بے مثال مرقع پیش کرتا تھا۔ لیکن خلافتِ راشدہ کے زمانۂ عروج میں، حالات نے بڑی تیزی سے بدلنا شروع کیا۔ اس لیے کہ عرب اور غیر عرب علاقوں میں رہنے والے عربوں کے ہاں دولت و ثروت اور مہذب دنیا کی تمام نعمتوں کی افراط ہو گئی۔ ہر وہ شے جو اس دنیا میں قابل حصول تھی، معمولی معمولی عرب گھروں میں موجود تھی۔ گدا بادشاہ بن گئے۔ خیرات اور صدقہ کے مستحقین کا ملنا دشوار ہو گیا۔ دولت و ثروت کی اس افراط کا نتیجہ یہ نکلا کہ بدوی عربوں کی قدیم سادگی، مذہب کے ساتھ والہانہ لگاؤ اور ان کی اصلی خوبیوں میں زمین آسمان کا فرق آ گیا اور یہ فرق رجعت قہقری کا آئینہ دار تھا۔ چونکہ عرب حاکم تھے اس لیے ان حالات نے تمام اسلامی دنیا کو متاثر کیا۔

اولاً ہمیں اس بات کا سراغ ملتا ہے، کہ قرآن کی تعلیمات اور پیغمبر اسلام کے ارشادات کے باوصف، خاندان کے اس عمرانی رتبہ اور درجہ کو تسلیم نہ کیا گیا جس کا وہ مستحق تھا۔ عرب عورتوں کو بالعموم حقیر سمجھا جاتا کیونکہ نہ تو وہ خوبصورت تھیں اور نہ مہذب۔ غیر ملکی کنیزیں، خصوصاً ایرانی اور یورپی جنہیں

رومی کہا جاتا تھا، امراء کی نگاہِ انتخاب کا مرکز بنتی تھیں۔ ان کنیزوں کی تعداد بہت جلد عرب عورتوں سے بڑھ گئی۔ اور کنیزوں کی اس کثرت کا صورت حال پر بہت بُرا اثر پڑا۔ ہر عرب گھرانہ خانہ جنگی کی آماجگاہ بن گیا، خاندان کی سالمیت اور اتحاد پر ضرب کاری لگی۔ عورت کا وقار کم ہوگیا۔ بچوں کی پرورش اور ان کی نگہداشت بہت بڑا عمرانی مسئلہ بن گیا۔ غیر ملکی خصوصاً ایرانی عورتیں اپنے ہمراہ اپنی ثقافت اور اپنی خاندانی روایات لے کر آئیں جنہوں نے بہت جلد عرب معاشرہ پر غلبہ حاصل کر لیا۔ ان تمام باتوں کا نتیجہ عجب بے ربطی کی صورت میں ظاہر ہوا۔ لیکن چونکہ ان دنوں معاشی بدحالی موجود نہ تھی اس لیے اس کا صحیح اندازہ نہ لگ سکا۔ لیکن اپنے وقت پر اس نے نہ صرف قدیم عرب روایات کا تیا پانچہ کر دیا بلکہ اسلام کے بنیادی نصب العین کو بھی نقصان پہنچایا۔ بہت سے موجودہ اہل علم کا قول ہے کہ اسلامی معاشرہ کے انحطاط کا بہت بڑا سبب تعدد ازدواج، کنیزوں کا رواج اور طلاق کا عام استعمال تھا۔ لہذا یہ بات فائدہ مند ہے کہ ان مسائل کو سائنسی بنیادوں پر زیر غور لایا جائے۔

جہاں تک تعدد ازدواج کا تعلق ہے تو قرآن مجید کی رو سے یہ بات کہیں بھی ثابت نہیں ہوتی، کہ اسلام عام حالات میں ایک سے زیادہ شادیاں رچانے کی اجازت دیتا ہے۔ قرآن مجید تو یہ کہتا ہے کہ

وَخلقناکم ازواجاً (۷۸ : ۸)

اس میں یہ کہیں نہیں کہا گیا کہ ایک مرد کو بہت سی عورتوں کے لیے تخلیق کیا گیا۔ علاوہ ازیں اس بات پر زور دیا گیا ہے

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (۲ : ۱۸۷)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ دونوں ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ اور دونوں مل کر ایک کُل بناتے ہیں۔ اس آیت سے اس بات کا صاف پتہ چلتا ہے کہ اس دنیا میں انسان بہترین عمرانی زندگی صرف ایک عورت کی رفاقت میں بسر کر سکتا ہے۔ اور ایک سے زیادہ عورتوں کی موجودگی میں اس بات کا حصول ممکن نہیں۔

قرآن مجید کی ایک اور آیت ہے :-

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝

ان تمام آیات سے بظاہر ان معانی پر روشنی پڑتی ہے کہ اسلام کا عام اصول یک زوجیت ہی ہے۔

پیغمبر اسلام کی زندگی بھی اسی بات کو پایہ ثبوت تک پہنچاتی ہے۔ پچاس سال کی عمر تک انہوں نے ایک ہی بیوی کی رفاقت میں زندگی بسر کی۔ یعنی جب جوانی اور جذبات کے تقاضے بڑے قوی تھے۔ اور خوبصورت

اور عالی مرتبت عورتوں سے شادی کرنے کے مواقع بھی فراواں تھے۔ اس وقت بھی انہوں نے ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی نہ کی۔ حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد انہوں نے بہت سے نکاح کئے۔ اور اس کی بڑی قوی وجوہات ہیں۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ بیویوں کی تعداد کو معیّن کرنے کے لیے کوئی باقاعدہ قانون نہیں تھا۔ جب یہ قانون نازل ہوا اُس وقت پیغمبر اسلام کو بھی مزید شادی کرنے سے منع کر دیا گیا تھا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ان میں سے اکثر شادیاں سیاسی مصلحتوں کے پیشِ نظر کی گئی تھیں۔ اور اُن کا مقصد یہ تھا کہ مختلف قبائلی سرداروں کی حمایت حاصل کی جائے۔ بعض شادیاں اس نقطۂ نظر سے کی گئی تھیں، کہ دوستانہ روابط کو اور زیادہ مستحکم کیا جائے۔ مثال کے طور پر آں حضرتؐ نے پہلے دو خلفاء کی صاحبزادیوں سے خود شادی کی اور اپنی لڑکیاں دوسرے دو خلفاء کے ساتھ بیاہ دیں۔ اور پھر انہوں نے بعض ایسی عورتوں سے شادی کی جن کو باعزّت جائے پناہ اور ان کی مصیبت کے وقت باوقار حیثیّت دینا مقصود تھا چنانچہ حضرت صفیہؓ کے معاملے میں یہ بات پیشِ نظر تھی۔ ان کے علاوہ بعض شادیوں کا مقصد یہ بھی تھا کہ زمانۂ جاہلیّت کی بُری عمرانی رسومات کی اصلاح کی جائے۔ مثلاً جس طرح انہوں نے حضرت زینبؓ کے ساتھ شادی کی۔

ان تمام باتوں کے علاوہ یہ بات بھی مدّنظر رہنا چاہیئے کہ اس زمانے میں ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کا تمام دُنیا میں اور بالخصوص عرب میں عام رواج تھا۔ اس لیے اُس وقت یک زوجیّت کو متعارف کرانا صحیح معنوں میں ممکن نہ تھا۔ علاوہ ازیں انسانی معاشرے کا فطری تقاضا یہ تھا کہ ایک عورت سے شادی کرنے کے قانون میں کچھ نرمی کی جائے۔ اسلام نے مخصوص حالت میں یہ رعایت روا رکھی ہے، یہ مخصوص حالات غیر معمولی مواقع میں پیش آتے ہیں۔ لیکن انسانی زندگی عام طور پر معمول کے مطابق رواں دواں رہتی ہے۔ اس لیے جس آیت میں ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کی اجازت دی گئی ہے وہ نہ تو کوئی حکم ہے اور نہ اُس میں کسی قسم کی تجویز ہے، یہ تو محض ایک رعائت ہے۔ اور رعائت قانون کبھی نہیں ہوتی۔

(باقی آیندہ)

سہ ماہی مجلّہ
صحیفہ
فی پرچہ تین روپے

مدیر:- سید عابد علی عابد

مشہور و مقبول قلمکاروں کے مضامین کا دلکش مرقع

معتمد مجلسِ ترقیِ ادب۔ کلب روڈ۔ لاہور